محمد قلی قطب شاہ کی ہندوستانیت پسندی

از جناب محمد ایوب صاحب واقف ایم۔ اے

ہمارے یہاں مورخین کی ایک جماعت ایسی ہے جس نے ہندوستان کے عہدِ اسلامی کو اپنے سیاسی مصالح کی بناء پر ہمیشہ مسخ کرکے پیش کیا ہے اور اسی میں وہ اپنی شان سمجھتی ہے ان مؤرخین کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ مسلم سلاطین کو بدنام کیا جائے اور یہ کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی بجائے منافرت کی طویل خلیج پیدا کی جائے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے آٹھ سو سالہ دورِ حکومت میں ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں شاہی امارت اور ذہنی قوت کو بے دریغ خرچ کیا ہے۔ ادب مصوری سنگ تراشی تعمیر کاری اور دوسرے فنون کی جیسی ترقی مسلم دورِ حکومت میں ہوئی شاید ہی کسی اور دور میں ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ اسلامی عہد کے ہندوستان میں عام رعایا بالخصوص ہندو معتقدات اور رسومات کی تبلیغ واشاعت میں کسی طرح کا کوئی خلل نہ پیدا ہوا ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں فاؤنڈوں (Puritans) اور سادھوؤں سنتوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے مذہب اور عقائد کی اشاعت کریں آپ مغل بادشاہ اورنگ زیب کے عہد کو لے لیں ہندوستان کے بیشتر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اورنگ زیب مسلم پرور اور ہندو کش شہنشاہ تھا۔ عمر بھر مندروں کو ڈھا کر مسجدیں تعمیر کرتا اور ہندوؤں کو بزور شمشیر حلقۂ اسلام میں داخل کرنے کے علاوہ اس نے کوئی اور کام نہ کیا مگر ہم

بلا خوفِ تردید یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اورنگ زیب پر ہندو کشی کا جو اتہام لگایا جاتا ہے وہ سراسر جھوٹ اور عام ہندوستانیوں کو اورنگ زیب سے متنفر کرنے کی ذلیل نفسیاتی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اورنگ زیب نے ہندوستان کے ۵۰ سے زائد بڑے بڑے مندروں کو ٹھاکر جی کے بھوج اور پوجا کے لئے جاگیریں وقف کی تھیں شو مشیور ناتھ کا مندر بنارس کا جنگم واڑی کا مندر، گوہاٹی کا ماکشا مندر، چترکوٹ کا بالاجی کا مندر اجین کا مہاکالی کا مندر، آبو کا دلواڑہ مندر، گجرات کا پالیتان کا جین مندر اور ایسے بہت سے مندروں کو اورنگ زیب کی طرف سے جاگیریں ملی تھیں ان مندروں کے مہنتوں کے پاس اورنگ زیب کا لکھا ہوا فرماں اس کے دستخط کے ساتھ موجود ہے۔ ہمارے ہندو بھائی جس بادشاہ کو بت خانہ شکن کہتے ہیں اس کی بت خانہ پروری کی یہ شان کیا کم ہے کہ اس نے بسمت نگر پربھنی کے ایک بڑے مندر کے مہنت کو ایک پگڑی دی جس میں جواہرات لگے ہوئے تھے اور جس کی مالیت ۲۵ ہزار سے کم نہیں تھی اس پگڑی کے ساتھ عالمگیر نے سندیں بھی دی تھیں اور جہاں تک اس کی ہندو کشی کا تعلق ہے اور تلوار کے زور پر ہندوؤں کو اسلام قبول کروانے کی بات ہے تو عرض ہے کہ اس کے دور میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اورنگ زیب ہندو دشمن قطعی نہ تھا۔ اس کا محکمہ مال ہندوؤں سے بھرا [illegible] تھا۔ اس کے بڑے [illegible] افسروں اور جرنیلوں میں ہندوؤں [illegible] تھی اگر مرہٹہ قوم کے سردار شیواجی اور گرو گوبند سنگھ سے اس کی جنگوں کی بنا پر مورخین اورنگ زیب کو ہندو دشمن کہتے ہیں تو یہ بھی ان کی غلطی ہے اس کی ان جنگوں کا مقصد شیواجی کو ذلیل کرنا یا تباہ کرنا نہیں تھا بلکہ مرکزی حکومت کو مضبوط

کرنا تھا صرف اسی ضرورت کے پیش نظر اس نے شیواجی سے لڑائی لڑی
ورنہ شیواجی سے اس کی مذہبی دشمنی کبھی نہ تھی اور شیواجی بھی مذہب
کے نام پر اورنگ زیب سے کبھی نہیں لڑے آج بھی جمہوری حکومت کا یہی
اصول اور ضابطہ ہے کہ صوبائی حکومتیں جب مرکز کے خلاف سر اٹھاتی ہیں۔
مرکزی حکومت ان بغاوتوں کو کچل دینے کی بھرپور کوشش کرتی ہے کیا اس
سے یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی دشمن
اور اس کو ختم کرنے کے درپے ہے؟

ہندوستان کی تاریخ میں ایک عہد ایسا بھی آیا تھا جب شمال سے
لے کر جنوب تک اور مغرب سے لیکر مشرق تک مسلم سلاطین کی حکمرانی
تھی شمال میں مغل اعظم اکبر برج کمال پر متمکن تھا۔ اور جنوب میں محمد قلی
قطب شاہ ایک عظیم سلطنت کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اس وقت
پورے ملک کی غیر مسلم رعایا مسلم بادشاہوں کے زیر نگیں تھی اور مسلمانوں
کی عسکری فتوحات ایشیا ہی نہیں بلکہ یورپ تک کو لرزاں کئے ہوئے
تھی اب بتائیے اگر مسلم سلاطین ہندو کش ہوتے تو کیا غیر مسلم عناصر کا
ہندوستان میں باقی رہنا ممکن ہو سکتا تھا؟ ہم فرقہ پرست مورخین کو
یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ مسلم حکمرانوں نے خدا کے اس فرمان پر کہ "زمین
میری بنائی ہوئی ہے اور اس پر بسنے والے تمام لوگ میری مخلوق ہیں اس لئے
ان میں سے کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو" پورا پورا عمل کیا ہے۔ اور ہمیشہ
انسان دوستی، صلح وآشتی اور اخلاق مندی کو ترجیح دی یہی وجہ ہے کہ مسلم
سلاطین کے درباروں میں مسلم علماء شعراء اور فصحا کے ساتھ ہندو علماء
وشعراء کثرت سے مجتمع رہتے تھے بنگلہ، ہندی، گجراتی اور مراٹھی وغیرہ کے

متعدد شعراء و علماء کے ناموں کا پتہ چلتا ہے جن کے تعلقات دربار سے تھے
کرتے تھے ان کو باقاعدہ وظیفہ امداد اور دوسرے عطیات سے سرفراز
کیا جاتا تھا چیتنیہ، تکارام، تلسی داس، سورداس اپنے عہد میں ہی نہیں۔
آج بھی ہندو عقائد اور مذہبیات کے اہم ستون سمجھے جاتے ہیں اور یہ سب
کے سب عالی مرتبت ہندو پیشوا مسلم عہد حکومت کی یادگار ہیں اگر مسلم
حکمراں ہندو تہذیب کے والہ و شیدا نہ ہوتے تو کیا "رامائن" اور "پدماوت"
جیسی خالص ہندو تہذیب پر مشتمل کتابیں لکھی جاسکتی تھیں؟ اس کا
جواب ہم ان مورخین سے طلب کرتے ہیں جو مسلم سلاطین کو "مسلم پرور"
اور "ہندو کش" کہتے ہوئے نہیں تھکتے۔

آج کی صحبت میں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ہمیں گولکنڈہ کے ہر دلعزیز
بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کی ہندوستانیت پسندی سے متعلق کچھ عرض
کرنا ہے محمد قلی قطب شاہ کا عہد حکومت تیس سال پر محیط ہے وہ ۹۷۳ھ
کے ماہ مقدس رمضان کی ۴ر تاریخ کو پیدا ہوا۔ ۱۵ سال کی عمر میں
۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ تیس سال تک انتہائی تزک و احتشام کے
ساتھ گولکنڈہ کی عظیم سلطنت پر حکومت کرکے ۱۷ر ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ
کو ۴۷ سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جاملا وہ ابتدا سے ہی ہندوستانی
تہذیب اور رسم و رواج کا دلدادہ تھا۔ اس کا ثبوت اس کی شبانہ روز
کی کامرانیوں سے واضح و مترشح ہے۔ محمد قلی قطب شاہ اگرچہ کسی
خود ساختہ سلطنت کا تاجدار نہیں تھا اس سے قبل چار فرمانروایان
سلطنت گولکنڈہ یکے بعد دیگرے حکومت کر چکے تھے۔ لیکن محمد قلی
قطب شاہ کے عہد میں سلطنت کے نظم و نسق میں چار چاند لگ گئے

اور وہ ہندوستانیت پسندی میں اپنے پیش روسلاطین سے بازی لے گیا لیکن یہ امر مسلم ہے کہ اس کے آباؤ اجداد بھی اپنے رہن سہن، وضع قطع لباس و معاشرت کے اعتبار سے خالص ہندوستانی تھے خود محمد قلی قطب شاہ کا باپ ابراہیم قلی قطب شاہ ہندوستانی طرز زندگی کا رسیا تھا۔ اور ہندو رعایا کا بے لوث خادم و بہی خواہ تھا اپنے تیس سالہ عہد حکومت میں ابراہیم قلی قطب شاہ نے تلنگانہ کی ہندو رعایا کے ساتھ بڑا ہمدردانہ اور روادارانہ تعلق قائم رکھا ان کے تہواروں اور دیگر رسمیات میں ان کے ساتھ شامل ہوکر اُن کی دلجوئی کرتا تھا۔ اس کا سودمند اثر یہ ہوا کہ تلنگانہ کے تمام ہندوؤں نے بغیر کسی پس وپیش اور شاہی دباؤ کے قطب شاہی سلطنت اور گولکنڈہ کو اپنی تمام آرزوؤں کا مرکز تسلیم کرلیا اور عرصۂ دراز تک گولکنڈہ کو اپنی راجدھانی کہہ کر شاہی فرمان کی تکمیل کرتے رہے تمام ہندو بغیر کسی تامل اور خوف کے اپنے مذہبی اور معاشرتی امور میں بادشاہ سے حسب ضرورت صلاح و مشورہ کرتے اور بادشاہ بھی انھیں کبھی دل برداشتہ واپس نہ کرتا تھا۔ ہندو رعایا کا گولکنڈہ کی سلطنت سے یہ ذہنی لگاؤ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں مثالی حیثیت اختیار کرگیا۔ اس کا طرز سلوک ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے ساتھ مساویانہ اور روادارانہ سلوک تھا کہ سلطنت کی ہندو اور مسلم رعایا میں کوئی خطِ فاصل یا اختلاف کی کوئی صورت باقی رہی ہی نہ تھی اس کے عہد میں دونوں قومیں باہم شیر و شکر بن کر رہتی تھیں محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں جہاں اس کا دربار اور محل عید جیسی محرم اور عید میلاد النبی جیسے اسلامی تہواروں کے موقعوں پر بقعۂ نور بن جایا کرتا تھا وہیں ہندوؤں کے تہواروں اور عام رسموں کی ادائیگی کے وقت

اُن پر بادشاہ کی کثیر دولت خرچ کی جاتی تھی دربار کی طرف سے جشن منایا جاتا اور ہندوؤں کے اکابر کو اس جشن میں مدعو کیا جاتا تھا ان مواقع پر بادشاہ محمد قلی قطب شاہ خود خوش و خرم ان کے ساتھ شریک ہوتا اور ہندوؤں کے عوائد رسمیہ اور آداب مجلس کا پورا پورا خیال کرتا اس کے دربار اور محل میں "بسنت" اور آمد برسات کے تہوار جن کا تعلق خاص ہندو فرق سے ہے اس گرم جوشی اور طمطراق سے منایا جاتا تھا کہ لوگوں کی نظریں بس دیکھتی ہی رہتی تھیں محمد قلی قطب شاہ کے تمام ترحرکات و سکنات، عادات و اطوار رعایا اور لوگوں کے ساتھ اس کے طرز سلوک کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے کہ وہ مختلف النسل مختلف المذہب اور مختلف اللسان فرقوں کی تمام جماعتوں کو ایک دوسرے میں ضم کر کے ایک عظیم قوم جسے عرف عام میں ہندوستانی قوم کہا جا سکتا ہے بنانے کے درپے تھا تو کسی طرح کی مبالغہ آرائی نہ ہوگی اس کے عہد میں کل رعایا جس حسن و خوبی اور عمدگی کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہتی تھی اس کا نفس ناطقہ محض محمد قلی قطب شاہ کی ذاتِ واحد تھی۔ اس کے کردار کا یہ وصف ہندوستان کے لیے رہتی دُنیا تک باعث افتخار رہے گا اور اس کے لیے تحسین و آفریں کی صدا بلند نہ کرنا اس عظیم محسن انسانیت کے حق میں بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

ابھی ہم نے متذکرہ بالا سطور میں کہا ہے کہ وہ "بسنت" اور "آمد برسات" کو بڑے جوش و خروش سے مناتا تھا اور ان تہواروں کے موقعوں پر جتنا شوق و انہماک وہ پیدا کرتا تھا۔ اتنا شاید ہی کسی دوسرے تہوار کے موقع پر کیا جاتا ہو یہ محض ہماری ذہنی اختراع نہیں بلکہ محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں ہندوؤں کے ان دونوں تہواروں سے متعلق جو نظمیں شامل ہیں ان سے

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ان نظموں میں محمد قلی قطب شاہ نے بڑی رنگینی و بے ساختگی اور وارفتگی کے ساتھ آمدِ بہار اور آمدِ برسات کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اس کی ایسی تمام نظموں میں کیف و سرور کا چشمہ جاری ہے قارئین کی دلچسپی کی خاطر ہم ذیل میں اس کی ان نظموں سے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں جنھیں اس نے بسنت اور آمدِ برسات کے متعلق لکھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بسنت کھیلیں عشق کی آ پیارا — تمھیں ہیں چاند میں ہوں جوں ستارا
نچھل کن رن کے تاراں انگ جھونا — بندی ہوں چھند بند سوں کر سنگارا
بسنت کھیلیں ہمن ہور ساجنا یوں — کہ آسماں رنگ شفق پایا ہے سارا
پیا پگ پر ملا کر لیائی پیاری — بسنت کھیلی ہوا رنگ رنگ سنگارا

مذکورہ بالا اشعار محمد قلی قطب شاہ کی کلیات سے وابستہ ہیں جو بسنت یعنی آمد بہار کی خوشی میں جھوم جھوم کر لکھے گئے ہیں ان اشعار میں نہ صرف یہ کہ موسم بہار کی آمد کا حسین و جمیل اور سادہ پرکار اظہار بیان ہے بلکہ ان میں ایسا مدھرا اور شیریں رس گھولا گیا ہے کہ جسے پی کر دل و دماغ کیف و سرور میں ڈوب جاتے ہیں اور انتہائی بے ساختگی کے عالم میں زبان سے واہ واہ کی صدا نکلتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری نظم میں جو آمدِ بہار ہی سے متعلق ہے محمد قلی قطب شاہ خوب مزے لیکر کہتا ہے۔

پیاری کے مکھ میانے کھیلیا بسنت — پھولاں حوض تھے چڑکے چھڑکیا بسنت
جوبن حوض میں لوز تن رنگ بھرے — بسنت راگ گا ڈسسہایا بسنت
بسنت کی خماری نینن میں بھری — ہنڈوے مِنن دل ڈلایا بسنت

۳۸۰ سال قبل جب کہ اردو زبان کی حیثیت ایک کم مایہ زبان سے زیادہ

کچھ نہ تھی اس کے ذخیرے میں اپنا کوئی سرمایہ نہ تھا ہندوستان کے طول و عرض میں فارسی زبان و ادب کا سحر اثر انداز تھا جو لوگ شعر و شاعری کے دلدادہ تھے ان کی تشنگی شیراز و اصفہان کے فارسی شعراء ہی بجھا سکتے تھے اردو تو ابھی بطن گیتی میں ہلکورے لے رہی تھی اس کے پاس اتنی سکت کہاں تھی کہ کسی کی تشنگی کو دور کر سکتی ان حالات میں گول کنڈہ کا عظیم المرتبت شہزادہ محمد قلی قطب شاہ اپنی سخن سنجی و سخن گستری کی وہ مثال قائم کرتا ہے کہ سارے زمانے کی نگاہیں اس کی طرف مرکوز ہو جاتی ہیں۔ فارسی زبان و ادب کا اگرچہ وہ شاہ ہزار صفات والہ و شیدا تھا لیکن اس کے مروجہ اصولوں سے نظر بچا کر خالص ہندوستانی رنگ میں اس طرح طبع آزمائی کرتا ہے اور تمام اصناف سخن چاہے وہ غزل ہو یا رباعی مثنوی ہو یا قصیدہ حمد ہو یا نعت و منقبت، حسن و عشق کے معاملات ہوں یا دنیا و آخرت کے رموز و نکات ہر موضوع پر اپنے فکر سخن کے ذریعہ ایک بیش قیمت ذخیرہ ارباب نظر و بصیرت کے لئے تیار کرتا ہے محمد قلی قطب شاہ نے فکر سخن اگرچہ دکن کی مخصوص زبان یعنی دکنی میں کی لیکن دکنی ہی کو تو ہم ابتدائی اردو کہتے ہیں اس لئے ہندوستان میں مروجہ زبان فارسی سے ہٹ کر ایک ہندوستانی زبان کی داغ بیل ڈالنے اور پھر اس زبان کو اپنے دم خم سے دلہن کی طرح ہندوستانی الفاظ، محاورات تشبیہات و استعارات سے سجا کر منظر عام پر لانے کا سہرا گولکنڈہ کے فرمان روا محسن اردو محمد قلی قطب شاہ کے سر ہے۔ اپنے پچاس ہزار اشعار میں ملک الشعراء محمد قلی قطب شاہ نے جہاں اپنے منفرد اسلوب بانکے طرز خیال اور شیریں تشبیہات کا انبار لگایا ہے وہیں اس نے اس بات کی بھرپور کوشش بھی کی ہے کہ اس کا

کلام ہندوستانی طرزِ فکر کی لازوال مثال ہو اور مقامِ مسرت ہے کہ وہ اپنی اس خواہش میں پوری طرح کامیاب ہوا اس کا پورا سرمایۂ کلام ہندوستانی رنگ سے رنگا ہوا ہے ہندی تہواروں سے لیکر ہندوستان کے جنگلوں میں اگنے والے درختوں کھیتوں کی فصلوں اور ترکاریوں اور سبزیوں کا دلکش و دلفریب ذکر اس کے کلیات میں موجود ہے۔

اوپر ہم نے اس کی دو نظموں کے جو چند اشعار پیش کئے ہیں ان سے یہ بات واضح ہوگئی ہے محمد قلی قطب شاہ کی شاعری کے متعلق اپنے اس بیان کی توثیق و تصدیق کے لئے ہم اس کے کلام کے کچھ اور نمونے پیش کریں گے تاکہ ناظرین پر یہ بات واضح ہوجائے آمدِ بہار کی طرح آمدِ برسات کا تہوار بھی محمد قلی قطب شاہ کے لئے تسکینِ روح اور دل کے سرور کا موجب بنتا تھا برسات کے آغاز پر بادشاہ کا دربار رنگینیوں اور خوشنمائیوں کا دلکش تماشاگاہ بن جایا کرتا تھا کئی دنوں تک مسلسل محل و دربار میں اس کے جشن منائے جاتے تھے جس میں ہندو اور مسلمان بلاتفریق مذہب و ملت شریک ہوتے مطربانِ خوش نوا اپنے دل نواز رقص و سرود سے حاضرین کو خوش کرتے شاہی باغات میں جھولے ڈالے جاتے جن پر سہیلیاں اور حرم کی شہزادیاں اپنے البیلے جسموں کو مشک و زعفران سے معطر کرکے جھولتی رہتی تھیں اور ایسی مدھر آوازمیں گاتیں کہ فضا عاشقانہ ماحول سے جھوم جھوم جاتی بادشاہ بھی ان ہندو تقریبات میں تمام تر شاہی لوازمات کے ساتھ شریک ہوتا جشنِ برسات میں شریک ہونے کی بادشاہ کی عام طور پر دو وجہیں ہوا کرتی تھیں اول تو یہ کہ یہ ایک ہندوستانی تہوار تھا جس کا تعلق اس کی ہندو رعایا سے تھا جنھیں وہ عزیز رکھتا تھا دوسرے یہ کہ یہ تہوار اپنے

دامن میں بے شمار رنگینیاں رکھتا تھا اور چونکہ وہ حسن پرست اور عاشق مزاج تھا اس لئے اس موقع پر ضرور حاضر رہتا اور بلا تکلف اپنی محبوباؤں اور کنیزوں کے ساتھ جی بھر کے رنگ کھیلتا تھا۔ آمدِ برسات کے متعلق اتنا عرض کرنے اور بادشاہ سے اس کا تعلق واضح کرنے کے بعد آیئے اس کی ان نظموں کے کچھ اشعار دیکھتے چلیں جنھیں اس نے آمدِ برسات پر کہا ہے۔ ان اشعار کو درج کرکے ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کا ہر شعر "ہندوستانی معاشرت" ہندوستانی رنگ و روپ سے مزین ہے اب ذرا ملاحظہ فرمائیں:

سرگ سلطانی ستارہ جگ میں آیا پھر کر آج　　　رکھ سکل سر سبز ہو کر سر تے کھڑے لعل تاج
لال رنگ کھیلیے مکھ پر لال کے لعل بدخش　　　تو سرخ اس رنگ تھے ہر رات جا دلاج للج

سہیلی بے تیلی رت میں شوانی　　　سگھا چھاتے امبر رنگ رنگ نہانی
ہے سیس انچل دھو نور جیون گگن پر　　　سرگ میں سرگیاں کی کسوت سہانی
پیاری کے خوئی مند مشاطا نگارے　　　بھواں کے سہیں جیون آسمان سمانی

آنداں سینے میں آیا سرگ سال　　　دنداں پامال عزیزاں ہوتے خوشحال
کنارے آسماں کے تیں شفق رنگ　　　دنداں مارے گئے اچھلیا رگت لال
فلک میں گرا گرا اناست ہے بہت　　　کرشہ درجاں کوں کرنے پامال

سہیلیاں سرگ سال آیا ہوا سوں　　　گرجنا اس کا سہتا ہے ادا سوں
مشک ہور زعفران عنبر کلا کر　　　سکیاں تن کوں لگا دو بھو صفا سوں
چھو چندن آکر پھل شہا دے　　　سجن مجلس میں ہے رنگ بہا سوں

محمد قلی قطب شاہ کا عشق اس کی زندگی کا ایک اہم ترین پہلو ہے جو رنگینیوں اور رعنائیوں سے مملو ہے وہ نہ صرف ایک عظیم الشان شہنشاہ تھا بلکہ میدانِ عشق کی معرکہ آرائیاں بھی اس کا روز و شب کا مشغلہ تھا اس نے نہ صرف چچلم گاؤں کی ایک الھڑ دوشیزہ بھاگ متی کو اپنی بے پناہ محبتوں اور چاہتوں سے لازوال شہرت بخشی بلکہ دوسری بارہ پیاریوں پر بھی اس نے اپنا انمول پیار نچھاور کیا ان بارہ پیاریوں کو اپنے نام کے ساتھ زندہ رکھنے کے لئے محمد قلی قطب شاہ نے بارہ لاجواب نظمیں لکھی ہیں۔ یہ سب کی سب نظمیں اس کے کلیات میں موجود ہیں ان نظموں میں اس نے اپنے عشق اور معاملات کو بغیر کسی تصنع و تکلف اور مبالغے کے بیان کیا ہے محمد قلی قطب شاہ کی بارہ پیاریوں کے ناموں پر ایک نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں اکثریت ان محبوباؤں کی ہے جن کا تعلق خالص ہند و معاشرت سے ہے مثلاً " ہندی چھوری" "ساونلی" "کوئلی" "پیاری" "سندری" "گوری" "چھبیلی" "موہنی" "پدمنی" "سندر" "سجنی" "رنگیلی" محمد قلی قطب شاہ کے ایسے ناموں کو دیکھ کر ذہن میں دو طرح کے سوال اٹھتے ہیں اوّل تو یہ کہ یا تو اس نے اپنی ہندوستانیت پسندی اور ہند و معاشرے سے بے پناہ لگاؤ کے پیش نظر اپنی محبوباؤں کو ان ناموں سے پکارنا شروع کیا جن کا تعلق صرف ہند و معاشرے سے ہے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ بیشتر مسلم بادشاہوں نے اپنی بیگمات اور محبوباؤں کو اپنے پسندیدہ ناموں سے پکارا ہے اور بعد میں وہی نام ان کی شہرت کا باعث بنے ہیں چونکہ محمد قلی قطب شاہ ہندوستانیت پسندی کے جذبات سے سرشار تھا ہندوستانی تہذیب سے محبت اس کے رگ و ریشے میں سمائی ہوئی تھی چنانچہ اس جذبے کے تحت

اس نے اپنی محبوباؤں کو اپنے پسندیدہ ناموں سے پکارا ہوگا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ محمد قلی قطب شاہ نے اپنی محبوباؤں کے ناموں کو تبدیل نہیں کیا بلکہ یہی ان کے اصلی نام رہے ہوں گے۔ اور یہی زیادہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ بادشاہ کے محل میں مسلم بیگمات کے ساتھ ساتھ ہندو رانیاں بھی رہا کرتی تھیں جن سے وہ اس قدر قریب تھا جتنا مسلم بیگمات سے بلکہ قرائن سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندو رانیوں اور محبوباؤں کی طرف زیادہ مائل تھا اور اس کے اس طرز سلوک کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی سلطنت میں ہندو رعایا کی بہتات تھی اور چونکہ وہ ہندو رعایا سے بے پناہ محبت رکھتا تھا لہذا اس تعلق سے اس نے اپنے محل میں ہندو محبوباؤں کو ترجیح دی ہوگی۔

ہم اس امر کا انکشاف کر چکے ہیں کہ اس کی سلطنت کے بہت سے عمائدین مقربان اور ملازمین ہندو تھے اور بعض اپنی نجی فہم و فراست اور عقل و تدبر کی بنا پر دربار میں بڑی عزت و شرف کے مالک تھے اور ان پر بادشاہ بھی ہمیشہ لطف و کرم کی نگاہ رکھتا تھا محمد قلی قطب شاہ ذات پات رنگ اور نسل کے امتیازات سے بہت بلند تھا۔ اس نے عہدوں کی تقسیم اور انعامات و اکرام کی عنایات کے مواقع پر کبھی اس بات کی تشخیص نہ کی کہ کون ہندو ہے اور کون مسلمان چنانچہ دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی سلطنت کے خلاف جب کبھی بغاوتوں نے سر اٹھایا تو ان بغاوتوں کو کچلنے کے لئے اس نے دربار کے ہندو جان نثاروں کا ہی انتخاب کیا آسیراؤ اور دھرماناؤ" اس کے خاص مقربین میں سے تھے۔ آسیراؤ، موسلمورگ، نندیال، کللکور، کندی کوٹ اور بیلکنڈہ کی مہمات میں محمد قلی قطب شاہ کے شانہ بہ شانہ لڑ رہا تھا یہ وفادار سپہ سالار جس شجاعت اور جواں مردی کے ساتھ ان جنگوں میں بادشاہ کی شان

شوکت کا تحفظ کر رہا تھا اسے بادشاہ بڑی قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ دھرمار اؤ کی دلیری بھی کچھ کم اہم نہ تھی یہ بھی دربار شاہی کا بلند مرتبت جنگجو سپہ سالار تھا ۱۵۹۳ء میں جب قوم نے بربنائے عداوت قطب شاہی سلطنت کے خلاف بغاوت کرکے ایلور، نردول اور بہار جلی میں لڑائی شروع کردی تو اس کے مقابلے کے لئے دھرمار اؤ کا انتخاب عمل میں آیا ۔
دھرمار اؤ نے میدان جنگ میں وہ دلیری دکھائی کہ باغی دستا دیو نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کی ہمت و شجاعت کا اعتراف بھی کیا اسیرا ؤ اور دھرمار اؤ کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کی شاہی فوج میں دوسرے اور بھی بہت سے ہندو جنگجو نوجوان تھے ۔ ان میں جگپت راؤ، سری راؤ، ساباجی، بھالے راؤ، مکند راج، شنکر راج، ہری چندر، رامچندر، راوت راؤ، اور کرشنا راج وغیرہ بڑی اہمیت کے مالک تھے اور محمد قلی قطب شاہ ان ہندو افسران کی بڑی عزت کرتا تھا۔
مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے محمد قلی قطب شاہ کی ہندوستانیت پسندی کی پوری پوری تصدیق ہوجاتی ہے اور اس امر کی بھی نشاندہی ہوجاتی ہے کہ وہ (محمد قلی قطب شاہ) اپنے معاصر مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کی طرح اپنے کردار و گفتار کے ذریعے ہندوستانی معاشرت سے شیفتگی کا اظہار کرتا رہا لیکن دونوں کے عمل کی یکسانیت کے باوجود محمد قلی قطب شاہ اور اکبر کے ذہنی اور فکری نہج میں بڑا بُعد تھا۔ محمد قلی قطب شاہ ہندوستانی وضع قطع لباس رہن سہن اور معاشرت کا عاشق ضرور تھا لیکن ان چیزوں نے اسے جذباتی بنا کر ایمان و ایقان کے راستے سے ایک پل کے لئے بھی غافل نہیں کیا قلی قطب شاہ نے عقائ

صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ

دو جگ منے سچ کون اہے کرتار معاذ　　بندہ ہوں اسی کا دہی ہر ٹھار معاذ
امت ہوں محمد کا کرؤں شکر خدا　　تو ہے منجے جسم احمد مختار معاذ

اور پھر یہ کہ

اسم محمد تھے اہے جگ میں سو خاقانی　　بندہ نبی کا جسم رہے ہتی ہے سلطان منجے
محمد کی غلامی تھے قطب شہ شاہ ہے　　اسی برکت تھے دایم سب خراج کوں ملا دنیا

اس نے انسانیت کے سب سے بڑے محسن اخوت کے سب سے بڑے علمبردار اور حق کے سب سے بلند و برتر طرحدار آقائے دو جہاں سرورِ انجم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بے پناہ عقیدت کو ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ اس کے عشق رسول کی مثبت دلیل بن گیا ہے ناظرین بھی وہ شعر ملاحظہ فرمائیں :-

سدا ہے داس محمد قلی محمد کا　　نبی صدقے میں ہوں محمد غلام

لیکن افسوس کہ مغلیہ سلطنت کے سب سے بڑے بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کی ہندوستانیت پسندی اور ہندی معاشرت سے اس کے والہانہ لگاؤ نے اس کی ایمانی قوت کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ اکبر کے سوتے اعتقاد کی ظاہری مثالوں اور خلاف شرع اس کے بہت سے اعمال نے اس کی شخصی زندگی کے بارہ میں بہت سی بدگمانیاں پیدا کر دی ہیں - اور یہ بدگمانیاں ایسی بھی - جن کا وجود محض شکوک کی بنیاد پر قائم نہیں ہے بلکہ ان کی صحت کے لئے اکبر کی زندگی کے داخلی اور خارجی شواہد موجود ہیں۔ حب الوطنی ایک مقدس فریضہ ہے اور مذہب اسلام تو وطن پرستی کو انسانی زندگی کا اہم ترین جز قرار دیتا ہے ۔ اس حقیقت کا انکشاف اس حدیث شریف سے ہو جاتا ہے کہ

حُبّ الوطن من الایمان ۔لیکن دینی حمیت بھی اپنی جگہ ایک الگ فریضہ ہے ۔ ملک کا وفادار شہری بننا یقیناً ایک عملِ صالح اور نیکوکاری ہے لیکن ایمان والقان کو اس پر نثار کر دینا عقل کے بھی خلاف ہے اور جمہوری نقطۂ نظر کے منافی بھی ۔ ایمان والقان کا تقاضا یہ ہے کہ خیالات و رجحانات کا کوئی بھی مد و جزر اسے متزلزل نہ کر سکے ۔ شاید ہندوستان کے سب سے بڑے اور اعلیٰ مرتبت شہنشاہ نے اس راز کو نہ سمجھا ہو ۔ خدا اسے اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے ۔ لیکن اکبر کے مقابلے میں محمد قلی قطب شاہ ایک دور اندیش اور دانش مند انسان تھا ۔ اس نے اپنی دینی حمیت کو بھی برقرار رکھا اور اپنی حب الوطنی اور قوم پروری کو بھی بقائے دوام بخشا ۔ یہ اس کی اعلیٰ ظرفی اور بلند فکری کا بین ثبوت ہے ۔ ان حقائق کو سامنے رکھکر ابوالقاسم فرشتہ کے اس قول پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ دوسرے بادشاہوں کے مقابلے میں "حلیم الرؤف" تھا ۔ خدا ہندوستان کے اس مایہ ناز سپوت کو کروٹ کروٹ سکون بخشے ۔ آمین

گذشتہ اکیس برس سے شائع ہونے والا مسلم خواتین کا دینی ترجمان ۔

ماہانہ "رضوان" لکھنؤ

زیر ادارت محمد ثانی حسنی

رضوان مسلم خواتین کا دینی مشیر اور اخلاقی ترجمان ہے ۔ رضوان میں مستند اور بامقصد مضامین شائع ہوتے ہیں

رضوان ، اخلاقی مضامین اور نظموں کا اچھا مجموعہ ہے ۔ رضوان اخلاق وحیا کا علمبردار ہے

رضوان ہند اور بیرون ہند کے اچھے اچھے گھرانوں میں جاتا ہے ۔ رضوان کے مضامین خود پڑھئے اور دوسروں کو پڑھائیے ۔ آسان زبان ، سلجھا ہوا انداز ، عام فہم باتیں ۔ قیمت فی پرچہ ایک روپیہ ۔

چندہ سالانہ دس روپے پتہ ماہانہ رضوان گوئن روڈ لکھنؤ ۱